امتحانی مشق نمبر 2

(یونٹ 5 تا 9)

سوال 1- میٹرک کے نصاب میں شامل کسی ایک نثری سبق کا تدریسی خاکہ تیار کریں۔ (20)

سوال 2- نظم کی تعریف کریں نیز اس کی اقسام پر جامع مضمون قلم بند کریں۔ (20)

سوال 3- کہانی نویسی کے لیے کن اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟ وضاحت کریں۔ (20)

سوال 4- تخلیقی ڈراما نگاری سے کیا مراد ہے؟ آپ اس ضمن میں طلبہ سے کون سی مشقیں کروائیں گے؟ (20)

سوال 5- تدریس قواعد کے مقاصد بیان کریں۔ (20)

ANS 01

اردو نثر وہ طرز اظہار ہے جس میں عام نحوی ترتیب قائم رہے اور صراحت، ربط اور روانی پر زور دیا جائے۔ نظم اور نثر کے درمیان امتیاز محض موزونیت کا نہیں طرز احساس اور طرز اظہار کا بھی ہے۔ نظم میں الفاظ محض بیان حقیقت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا مقصد تخیل کو بیدار اور متحرک کرنا ہوتا ہے، جبکہ نثر میں عموماً الفاظ کا مقصد صراحت اور وضاحت ہوتا ہے۔ الفاظ اور جملوں میں منطقی ربط قائم رکھا جاتا ہے اور زبان کی نہج روزمرہ کی گفتگو اور عام بول چال کی نحوی اور صرفی ترتیب کے قریب رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دور قدیم میں عام طور پر نثر کو فنی اظہار کا وسیلہ نہیں سمجھا گیا اور محض نظم ہی فن قرار دی جاتی رہی۔ لیکن ادب جب عوام سے قریب آنے لگا اور اس سے محض فنی اور شعری مقاصد کی بجائے معلوماتی اور منطقی مقاصد کے حصول کی کوشش بھی ہونے لگی تو نثر بھی فن کے دائرے میں شامل ہو گئی اور اسے بھی تخلیقی اظہار کا ایک اہم وسیلہ قرار دیا جانے لگا۔ البتہ نثری اسلوب پر شعری اسلوب کا اثر مختلف طریقوں سے مدتوں قائم رہا۔ عربی اور فارسی تنقید نے تخلیقی نثر کو تین اقسام میں تقسیم کر دیا۔ نثر مقفی، نثر مرجز اور نثر عاری۔ پہلی دونوں اقسام کے لیے شاعری کے طرز پر قافیوں اور ہم صوتی ٹکڑوں کا التزام رہا اور مدتوں تک اسی قسم کی نثر کو ادبی نثر قرار دیا جاتا رہا۔ شادی کے رقعوں سے لے کر علمی اور ادبی تصانیف تک اسی قسم کی سجی ہوئی نثر لکھی جاتی رہی جس میں موزونیت کے علاوہ شاعری کے تقریباً سبھی لوازم موجود ہوتے تھے جبکہ نثر کے لوازم سے اس کا رشتہ واجبی سا تھا۔ اس میں نہ تو صراحت، وضاحت اور قطعیت پر زور تھا جو معیاری نثر کا زیور ہیں، نہ اس میں تسلسل اور منطقی ربط و ترتیب لازمی

Downloaded From Talassus.com

تھی، جو نثر کے آداب و آئین کا حصہ ہے۔ نہ اس میں وہ روانی اور برجستگی تھی جو اسے شاعری کی مرصع کاری اور فسوں گری سے الگ کرتی ہے۔

آج معیاری نثر کے لیے بھی کچھ خصوصیات ضروری ہیں۔ اچھی نثر وہ ہے جو نظم کے مقابلے میں اپنا انفرادی آہنگ قائم رکھ سکے۔ وہ محض شاعری کے اسلوب و مزاج کا حصہ نہ بن جائے بلکہ ان کی شیرنی اور دلکشی اس کو توضیح میں نہیں اس کی سادگی اور بے ساختگی میں ہو۔ زور بیان پر توجہ ہو تو اس طرح کہ وہ الجھانے کا سبب نہ بن جائے بلکہ مضمون کی صراحت اور وضاحت میں مدد دے اور اس کو منزل بہ منزل ربط و ترتیب کے ساتھ ذہن نشین کرانے میں معاون ثابت ہو۔

نظم کی طرح نثر کے بھی مختلف اصناف ہیں اور ہر صنف کے تقاضے الگ الگ شرطوں اور معیاروں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایک طرف علمی اور معلوماتی نثر ہے جس کا سلسلہ فلسفیانہ، تاریخی اور معلوماتی مضامین سے صحافت اور بیانیہ مضامین تک پھیلا ہوا ہے۔ اس صنف میں نثر جتنی سلجھی ہوئی، مربوط، سادہ، رواں اور مضمون کی ضرورت کے مطابق ہو گی اسی قدر معیاری سمجھی جائے گی۔ اس قسم کے مضامین کے ساتھ ہی انشائیہ یا مزاحیہ مضامین کا ذکر ضروری ہے جن میں بیانیہ معلوماتی یا خالص علمی نقطہ نظر پر تخلیقی عنصر غالب آ جاتا ہے۔ ایسی نثر میں تخیل کی رنگ آمیزی نسبتاً زیادہ ہو گی اور ربط اس قدر واضح اور براہ راست نہ ہو گا لیکن صراحت و وضاحت اور روانی یہاں بھی لازمی اقدار ٹھہریں گی۔

پھر افسانے، ناول اور ڈرامے کے اصناف ہیں جن میں حقیقتاً نثر نگار کے اپنے اسلوب کے ساتھ ساتھ نثر میں مختلف کرداروں کے مزاج اور مختلف واقعات اور صورت حال کے مطابق نثری اسلوب بھی بدلتا جائے گا۔ گویا یہاں اسلوب کا معیار اس طرح بھی مقرر کیا جائے گا کہ مکالمے، بیان اور الفاظ کس حد تک متعلقہ کردار اور واقعات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ افسانہ نگار یا ناول نگار، کرداروں اوور واقعات کی پیش کش کے لیے کچھ حصوں میں براہ راست اپنی شخصیت کو ظاہر کر سکتا ہے۔ ان حصوں میں اس کے اسلوب پر اس کی اپنی شخصیت کی پرچھائیں واضح ہو گی۔ ڈرامے میں براہ راست اظہار کی گنجائش کم ہے۔ اس صورت میں ڈرامہ نگار کے نثری اسلوب کو اس کے کرداروں اور اس کے تخلیق کردہ صورت حال ہی کی روشنی میں پہچاننا ہو گا۔

Downloaded From Tajassus.com

نثر کا معیار مختلف ادوار کے تہذیبی مزاج کے مطابق بدلتا رہا ہے۔ تجزیے کی آسانی کے لیے نثری اسالیب کو چند اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تمثیلی اسلوب آتا ہے جس میں علامتوں اور تمثیلوں کے ذریعے مضامین، قصوں اور حکایتوں میں اخلاقی، مذہبی اور فلسفیانہ رموز بیان کیے جاتے رہے ہیں۔ اس کی مثالیں مختلف الہامی کتابوں اور مذہبی اور نیم مذہبی تصانیف میں کثرت سے ملتی ہیں۔ دوسری قسم شاعرانہ اور نیم شاعرانہ نثر کی ہے جسے ایک مدت تک ادبی نثر قرار دیا جاتا رہا ہے۔ اس میں کہیں قافیے سے کام لیا گیا ہے، کہیں ایسے ٹکڑے استعمال کیے گئے ہیں جو برابر کے ہوں اور ہم وزن ہوں۔ کہیں کہیں الفاظ کے در و بست اور تشبیہ اور استعاروں کے استعمال سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ تیسری قسم اس نثر کی ہے جس میں سادگی اور صراحت کو اہمیت حاصل ہے اور بیان کی غیر ضروری آرائش کے بجائے نثر کی سادگی اور صراحت کو قدر اول قرار دیا جاتا ہے۔ اردو میں ان تینوں اقسام کی نثر کا رواج رہا ہے، گو تیسری قسم ہنوز طفولیت میں ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ سادگی اور صراحت اور قطعیت والی نثر (جس کی عمدہ مثال فرانسیسی میں فلابیر کی نثر میں اور انگریزی میں برنارڈ شا اور برٹرینڈ رسل کی تحریروں میں ملتی ہے) صنعتی دور کے سماج کی دین ہے اور سماج کے سائنسی مزاج اور کسی قدر منطقی ذہن کی نشان دہی کرتی ہے۔ ہندوستانی سماج چونکہ ہنوز اس منزل تک نہیں پہنچا لہذا ہمارا نثری اسلوب بھی وہ سادگی، روانی، قطعیت اور شفافی نہیں پا سکا۔ پہلے طرز کے کامیاب نمونے وجہی کی "[[سب رس" |سب رس"]]محمد حسین آزاد کی "نیرنگ خیال" اور ابو الکلام آزاد کی تصنیف "غبار خاطر" میں چڑیا چڑے کی کہانی والے حصے میں ملیں گے۔ دوسرے طرز کی اچھی مثالیں تحسین کی "نو طرز مرصع" رجب علی بیگ سرور کے "فسانہ عجائب" اور رتن ناتھ سرشار کے "فسانہ آزاد" میں موجود ہیں۔ اس طرز کو تیسرے طرز میں سمو کر جو نثری اسلوب سامنے آیا تھا اس کی مثالیں شبلی کی نثر کے زیر اثر ابو الکلام آزاد، رشید احمد صدیقی، مہدی افادی، ظفر علی خاں، عبد الرحمن بجنوری اور آل احمد سرور کی تحریروں میں ملتی ہیں۔ تیسرے طرز کے ابتدائی نقوش غالب کے اردو خطوط سے لے کر میر امّن کی باغ و بہار، سر سید احمد خان اور حالی کے نثری اسلوب اور سجاد انصاری کے محشر خیال والے مضامین ہیں اور خواجہ حسن نظامی اور عبد الماجد دریا بادی

Downloaded From Tajassus.com

کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ اس طرز میں معروضیت اور استدلال کے عناصر کی شمولیت نے ایک طرح کا فکری استحکام پیدا کر دیا ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے نہ صرف علمی مضامین میں اختیار کیا جائے بلکہ اسے مزید ترقی بھی دی جائے۔

اردو نثر نے ابتدا میں ظہوری اور ابو الفضل کی طرز انشا سے فیض اٹھایا پھر "رقعات عالمگیری" کے اسلوب سے۔ فورٹ ولیم کے دور کے بعد اس پر انگریزی نثر کے اثرات نمایاں ہونے لگے لیکن آج بھی اردو نثر میں وہ شفاف پن، وہ سادگی وہ کاٹ وہ صراحت اور قطعیت نہیں آئی ہے جو نثر میں قدر اول سمجھی جاتی ہے۔

اردو کا نثری اسلوب مختلف منازل اور مراحل سے گزرا ہے اور اس کے صرفی اور نحوی ڈھانچے ترتیب اور تراش میں مختلف طور طریقے رائج رہے ہیں۔ شروع کے دور میں نثری اسلوب کی اکائی جملے بجائے فقرہ تھا لہذا انھیں فقروں کے صوتی آہنگ اور ترتیب سے کام لیا جاتا تھا۔ ان فقروں کی مدد سے نثر میں رنگینی اور کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ملا وجہی کی نثر میں یہ اسلوب سب سے زیادہ نمایاں ہے اور اس کی جھلک سرور کے "فسانہ عجائب" تک میں موجود ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو گی کہ نثر لکھتے وقت بھی مصنف کا ذہن مصرعوں میں سوچتا تھا اور منطقی ربط کے بجائے صوتی آہنگ پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اس طرز کی نثر میں فقروں کی مدد سے ایک ہی جملے کو اس قدر پھیلایا گیا ہے کہ اس کی وحدت کا تصور قائم نہیں رہا۔ کہیں کہیں غالب کے خطوط میں بھی اس طرز کے جملے ملتے ہیں، گو ان میں مقفی و مسجّع انداز بھی موجود ہے لیکن نثر کا آہنگ کہیں مخدوش نہیں ہوتا۔ سر سید احمد خاں کی نثر میں پہلی بار غالباً انگریزی ادب کے زیر اثر جملے کا تصور ملتا ہے اور ان جملوں میں ربط فکری منطقی طور پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرز کو اردو رسالوں اور اخبارات نے رواج دیا۔ اخبارات اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے پرتکلف اور پرتصنع نثر کو برتنے سے قاصر تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ نثر محض ذریعہ انبساط یا اظہار فن کا وسیلہ نہ رہی بلکہ اس کے ذریعے اہم سماجی اور تہذیبی، مذہبی اظہار ہونے لگے، اس لیے نثر زیادہ بے ساختہ، بے تکلف اور سادہ ہوتی گئی اور لازمی طور پر اس میں منطقی ربط و آہنگ زیادہ نمایاں ہونے لگا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ نثر کو زیادہ رواں، سادہ اور بے تکلف بنانے میں

Downloaded From Tajassus.com

اس کے عام وسیلہ اظہار ہونے کو دخل ہے اور پریس اور سماجی اور تہذیبی تحریکوں نے اسے دوسری تمام اصناف میں زیادہ بے ساختہ اور رواں بنا دیا ہے۔

نثری وسائل اظہار میں اسلوب کا سب سے زیادہ واضح فنی اظہار انشائیہ میں ہوتا ہے جو بقول شخصے "نثر کا ایک ایسا چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں مصنف دنیا کے کسی بھی موضوع کے بارے میں اپنی ذات کا انکشاف کرتا ہے۔" چونکہ ذات کا یہ اظہار فلسفے یا منطق، تبلیغ یا تعلیم کے ضابطوں کا پابند نہیں ہوتا لہذا اسلوب پر مصنف کی انفرادیت کی پرچھائیاں زیادہ صاف اور واضح شکل میں نظر آتی ہیں اور یہاں نثر کی زیادہ صاف شفاف، زیادہ رنگین اور دل فریب شکل نظر آتی ہے۔ اسلوب کو شخصیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ انشائیے میں یہ اظہار بہت واضح اور دلکش ہوتا ہے۔ یہاں معروضی ڈھنگ سے بات کہنے یا دلیل اور استدلال سے اسے ثابت کرنے کے بجائے گویا ذاتی اور نجی تجربات اور کیفیات، مشاہدات اور تاثرات کا ہم جلیسوں سے سرگوشی یا خوش وقتی کے لہجے میں تذکرہ مقصود ہوتا ہے اور اسی لیے اس میں خطابت کی بجائے گفتگو اور وکالت کی بجائے رفاقت کا انداز غالب ہوتا ہے۔ اردو میں وجہی کے انشائیہ اسلوب سے لے کر غالب، محمد حسین آزاد، عبد الحلیم شرر، مہدی افادی، سجاد انصاری، سجاد حیدر یلدرم، ناصر علی، خواجہ حسن نظامی، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، ابو الکلام آزاد، پطرس بخاری، فلک پیما، کرشن چندر وغیرہ تک انشائیہ کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ یہ سبھی اپنے اپنے طور پر صاحب طرز انشا پرداز ہیں۔ ان کے نثری اسلوب پر ان کی اپنی شخصیت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ گویا انشائیہ میں مصنف اور مخاطب کے درمیان کی دیوار بہت پتلی ہوتی ہے اور نثری اسلوب یہاں شخصیت کا تقریباً براہ راست اظہار کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مضمون اور مقالے میں یہ اظہار ذرا زیادہ معروضی ہو جاتا ہے۔ ذاتی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا معاملہ یہاں دلیل اور ثبوت کا پابند ہونے لگتا ہے اور مضمون میں دلیل جتنی زیادہ وزنی، استدلال جتنا زیادہ معروضی اور منطقی ہوتا ہے اور ذاتی تاثرات اور تعصبات کا اظہار جتنا کم ہوتا ہے، اسی قدر اس کی اہمیت بڑھتی ہے۔ یہاں نثری اسلوب میں تخیل کی اڑان اور جذبے کی فراوانی جتنی کم ہو گی اتنا ہی مضمون مؤثر اور مضمون نگار کامیاب قرار دیا جائے گا۔

ان دو انتہاؤں کے درمیان ناول مختصر افسانہ اور ڈرامے کے نثری اسالیب ہیں جن میں نہ تو جذبے اور تخیل کو کم وقعت قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ معروضیت

Downloaded From Tajassus.com

اور استدلال سے منھ موڑا جا سکتا ہے۔ پہلی دو اصناف میں تو نثری اسلوب دو سطحوں پر کار فرما ہوتا ہے۔ ایک اس حصے میں جہاں مصنف براہ راست اشیا، واقعات یا تاثرات کا بیان کرتا ہے۔ گویا اس کی اپنی شخصیت کا کم و بیش براہ راست اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے اس حصے میں جہاں مصنف مختلف کرداروں کی زبانی بولتا ہے۔ یہاں مصنف کا اپنا ذاتی اسلوب کارفرما نہیں ہوتا بلکہ اس ذاتی اسلوب کا اظہار مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے ہوتا ہے۔ یعنی نثری اسلوب کرداروں کے مزاج کے مطابق اور مخصوص واقعات اور صورت حال کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ ڈرامے میں صرف آخری صورت ہی ممکن ہے کیونکہ یہاں مصنف براہ راست بیان نہیں کر سکتا۔

اوپر نثر کی روایتی قسموں کا ذکر آیا ہے لیکن اردو میں عام طور پر چار نثری اسالیب رائج رہے ہیں، جنھیں تمثیلی، مقفی، داستانی اور سادہ کی اصطلاحوں سے ظاہر کیا جا سکتا ہے اور ان چاروں کی بھی مختلف اور متعدد اقسام ہیں۔ دراصل ہر صاحبِ طرز قلم کار اپنا نثری اسلوب خود متعین کرتا ہے اور اس کی نثر مختلف عناصر ترکیبی سے عبارت ہوتی ہے۔ پھر بھی اردو نثر سے شناسائی کے لیے ان چار اسالیب کی شناخت اور ان کے عناصر ترکیبی سے واقفیت ضروری ہے جس کے اہم ترین نمائندے علی الترتیب وجہی اور یا محمد حسین آزاد، رجب علی بیگ سرور، میر امن اور سرسید احمد خاں کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اردو کا نثری اسلوب ابھی تک شبلی دور سے گزر رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے سماجی اور اقتصادی حالات میں جاگیرداری اور صنعتی دور کی پیوند کاری جھلکتی ہے، اسی طرح ہمارے نثری اسالیب میں بھی عہد متوسط کی شاعرانہ اور روایتی سجاوٹ کا پیوند سادہ اور شفاف نثر میں لگایا جاتا رہا ہے۔ آج بھی ہماری نثر نگاری شاعرانہ آداب میں گھری ہوئی ہے اور اس کی تربیت اور آہنگ میں جو واقعیت پسندی، منطقی ربط اور استدلال ہونا چاہیے، اس کی طرف توجہ کم ہے مگر یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ پچھلے ڈھائی سو سال میں اردو نثر نے بلوغت کی کئی منزلیں طے کر لی ہیں اور اس میں تنوع، رنگا رنگی معروغیت، وضاحت اور وسعت پیدا ہو چلی ہے۔

ANS 02

مقالہ کا موضوع اردو غزل کی تدریس (مسائل ، مشکلات اور امکانات) ہے۔ اس میں پس منظر کے طور پر ان مسائل کا تجزیہ کیا گیا ہے جو اردو اور اس کی

Downloaded From Tajassus.com

مختلف اصناف کی تدریس کی راہ میں حائل ہیں۔ انہیں حل کرکے جدید انداز میں نصاب کی تشکیل اور اس میں بہتری لانے کے لیے کچھ سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ دوسرا حصہ نصاب میں طے کردہ مقاصد اور ان کی مناسبت سے بحث کرنا ہے۔ تیسرے حصہ میں مختلف درجوں میں غزل کی تدریس کے موجودہ طریقہ کار سے بحث کی گئی ہے اور اس میں بہتری کے امکانات واضح کیے گئے ہیں۔ آخری حصہ نظری اور عملی سفارشات پر مشتمل ہے۔ طریقہ کار:مقالہ میں یہ طریقہ کار اپنایا گیا ہے کہ تدریس اردو بطور خاص غزل کی تدریس پر میسر مواد کا مطالعہ کرکے اسے ذاتی تجربات کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور ان دونوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر غزل میں نصاب اور تدریس کے مسائل، مشکلات اور امکانات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر خیبر بختونخوا کے نصاب کو پیش نظر رکھا ہے۔

- اُردو غزل کی تدریس میں حائل مشکلات کی کئی صورتیں بنتی ہیں۔ اس میں پہلی صورت پس منظر کی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کا تعلق صرف غزل کی تدریس سے نہیں تمام اصناف کی تدریس میں ان مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے۔خیبر پختونخواہ کے اُردو (لازمی) نصاب میں غزل جماعت نہم و دہم سے شامل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے کے درجوں میں جو نصابی عنوانات درج کیے گئے ہیں ان کے مقاصد میں بچوں کے اندر زبان بولنے، پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ (1)ابتدائی اور ثانوی درجوں میں زبان دانی کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر نصاب کی تشکیل کی گئی ہے۔ لیکن عملی طور پر زبان بولنے، پڑھنے اور لکھنے سے زیادہ توجہ مختلف اسباق پڑھانے پر دی جاتی ہے۔ جس سے بچوں میں زبان بولنے، پڑھنےاور لکھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ ان کی توجہ اسباق اور اس کے سوالات کو یاد کرنے پر مرکوز ہوتی ہے۔ ان درجوں میں یہ تعین نہیں کیا گیا کہ مقصد بچوں کو زبان پڑھانا ہے یا ادب کی تدریس کرنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلباء بارہویں جماعت تک اُردو پڑھنے کے باوجود نہ زبان سیکھ سکتے ہیں نہ ادب سے واقفیت حاصل کرسکتے ہیں۔

ڈاکٹر عطش درانی کے مطابق :"پاکستان میں اردو پرائمری سے انٹرمیڈیٹ تک ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے لیکن اتنے سال اردو پڑھنے کے بعد بھی بہت کم طلبہ و طالبات ایسے نکلتے ہیں جو اردو بولنے، پڑھنے اور

Downloaded From Tajassus.com

لکھنے میں مہارت رکھتے ہوں---- اسکا مطلب یہ ہوا کہ نصاب اور طریقِ تدریس دونوں میں کوئی نہ کوئی کمی موجود ہے "۔ (2)
یہ کمی خیبر پختونخواہ کے طالب علموں میں زیادہ شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ تدریس اردو کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے زیادہ اس کمی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ابتدائی اور ثانوی درجات میں اردو تدریس کے چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں ۔ بولنا، پڑھنا، لکھنا اور سمجھنا۔ ان مقاصد کو ڈاکٹر فرمان فتح پوری (3) مرزا خلیل بیگ (4) نے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ رشید حسن خان نے زبان سکھانے کے لیے معیاری املاء کی تدوین (5) اور غضنفر علی نے ایک معیاری قاعدہ کی تشکیل پر زور دیا ہے۔ جس کے ذریعے طلباء کو حروف تہجی کی درست تعداد اور قواعد و املاء کے اصول سکھائے جاسکیں ۔ (6)
ادب میں کسی بھی صنف کی تدریس سے پہلے طلباء و طالبات کا زبان سیکھنا ضروری ہے۔ دوسرا مرحلہ ادب اور اس کے نظام فن و فکر کی تفہیم کا ہے۔ جب تک ایک طالب علم ابتدائی، درمیانی اور ثانوی درجوں میں زبان اور ادب کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل نہیں کرتا، ادب کے مزاج اور اس کی بنیادی اصطلاحات کو نہیں سمجھتا۔ اس کے لیے عملی طور پر ادبی اصناف سے متعلق اسباق کو سمجھنا مشکل ہے۔ غزل کی تدریس میں ادب اور اصناف کی تفہیم اور بھی ضروری ہوجاتی ہے۔ غزل کے علامتی نظام، اس کی اشاراتی زبان اور اشعار میں پیش کیے گئے مفہوم کو مخصوص پس منظر کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس طرح ابتدائی اور ثانوی درجوں میں مختلف علوم کی تدریس کی جاتی ہے تاکہ اعلیٰ درجوں میں طلباء ان میں سے کسی مضمون کا انتخاب کرکے اس میں مہارت حاصل کرسکیں اس طرح ادب کی تدریس بھی ایک علم کے طور پر ہونی چاہیے۔ جمالیات اور ذوق سلیم کی تربیت کے لیے ادب کو مخصوص علم کے طور پر پڑھانا ضروری ہے۔ جس سے اس شعبہ کا وقار بھی بلند ہوگا اور طلباء اسے ایک سنجیدہ علم کے طور پر پڑھنے کی اہلیت پیدا کرسکیں گے۔ اور اس میں دلچسپی بھی لیں گے۔ گویا پہلی منزل زبان کی تدریس کی ہے اور دوسری ادب کی تدریس کی ہے۔ زبان شناسی کا کام ادبی تحریروں سے بھی لیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہاں مقصد زبان کی تدریس ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ادب کی تدریس کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔بقول شمیم حنفی :ثانوی درجات سے آگے ہی وہ منزل آتی ہے جہاں ادب کو ادب کی طرح پڑھایا جانا ممکن

Downloaded From Tajassus.com

ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے بعد ادب کے استاد اور طالب علموں میں مکالمہ کی نوعیت کوئی بامعنی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور اسی منزل پر ادب اور غیر ادب یا ادبی زبان اور غیر ادبی زبان کے فرق و امتیاز کی کچھ وجوہات استاد اور طالب علم دونوں کے لیے ضروری ہوجاتی ہیں۔ '' (7)زبان اور ادب کی تدریس کے بعد ادبی اصناف کی باقاعدہ تدریس کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے اور تدریس کو بامعنی بنانے کے لیے ادبی اصناف کا نصاب خاص اصولوں کی روشنی میں ترتیب دیا جائے۔ جس میں اصناف ، ان کے مزاج اور معیار و رفتار کا تعارف ضروری ہے۔ نصاب اس طرح مرتب کیا جائے جو موجودہ عہد اور اس کے مسائل سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو۔ طلباء کی ذہنی سطح کے مطابق ہو تاکہ طلبا اس میں دلچسپی لے سکیں۔ ادب اور خاص طور پر غزل کے صرف ایسے نمونے نہ دیے جائیں جو عشق سے متعلق ہو، بلکہ ان میں زندگی کے رنگا رنگ پہلووں کی نمائندگی کی صلاحیت موجود ہو۔غزل کے تدریسی مقاصد میں زبان شناسی کے ساتھ ساتھ جمالیاتی احساس اور جمالیاتی ذوق پیدا کرنا، شعری ذوق کی تربیت کرنا، طلباء کو غزل کے مزاج سے آشنا کرنا اور شاعروں کی فنی عظمت سے آگاہ کرنا شامل ہیں۔ انہیں مدنظر رکھتے ہوئے نصاب کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ مطلوبہ اہداف حاصل ہوسکیں۔

۲۔ (الف) سکول اور کالج کی سطح پر اردو غزل کا نصاب: خیبر پختونخواہ کے اُردو نصاب میں غزل کی تدریس کا سلسلہ جماعت نہم سے شروع ہوتا ہے۔ نہم اور دہم کے نصاب میں بعض کلاسکی شعراء اور بعض جدید شعراء کی غزلیں شامل ہیں۔ مقاصدتدریس میں اصناف کا تعارف کروانا، ان پر تنقید اور طلباء میں تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرنا۔ (8) ادب کی رفتار اور معیار سے روشناس کرانا، زبان اور اسکی خصوصیات کو سمجھنا (9) پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا کرنا(10) شامل ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے غزل کا جو نصاب مرتب کیا گیا ہے اس میں آتش، غالب، بہادر شاہ ظفر ، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، فراق گورکھپوری اور ادا جعفری کی دو دو غزلیں نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ ابتداء میں غزل کا تعارف، غزل اور نظم میں فرق ایک مضمون کے ذریعے بتایا گیا ہے جو ناکافی ہے۔ ہر شاعر کے مختصر تعارف کے بعد اس کی غزلیں درج کی گئی ہیں ۔ اس نصاب سے غزل کی ابتداء و ارتقاء کا اندازہ نہیں ہوتا۔ زبان شناسی معلم کے تدریسی طریقہ کار کا ثمر ہے۔ جو ایک

Downloaded From Tajassus.com

اچھے معلم کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن غزل کی تدریس میں کچھ اور مقاصد کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ جس میں غزل کی زبان اور ہیت سے واقفیت حاصل کرنا ، جمالیاتی احساس کو متحرک کرنا، شائستگی اور اخلاقیات کے اوصاف پیدا کرنا شامل ہے۔ جماعت نہم و دہم کے نصاب میں غزل کے ارتقائی سفر کی کچھ کڑیاں کم ہیں۔ اردو غزل کی ابتداء دکن سے ہوئی۔ ولی دکنی دکن کی روایت کا اہم نمائندہ ہے۔ اس کے بعد غزل کا دوسرا دور دبستان دہلی سے متعلق ہے جس کے اہم شعراء میں میر اور دردکے نام آتے ہیں۔ ولی دکنی کو نظر انداز کیا گیا ، جبکہ میر اور درد کو گیارہویں جماعت کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس نصاب میں قدیم شعراء کے ساتھ جدید شعراء کو بھی شامل کیا گیا جو ایک مستحسن قدم ہے۔ جس پر تدریس غزل پر کام کرنے والے اکثر محققین نے زور دیا ہے۔ وہ کمی جو پرانے نصاب میں تھی اُسے پورا کیا گیا ہے۔ غزل کے نصاب کی تشکیل میں تکرار سے بچنا چاہیے۔نیا نصاب مرتب کرتے وقت ایسی غزلوں کا انتخاب کرنا چاہیے جو اس سے پہلے نصاب میں شامل نہیں تھیں اور جو غزل کے فن اور شاعر کی عظمت کو بیان کرنے کی اہلیت رکھتی ہوں۔ اس نصاب میں موضوعاتی تنوع کا خیال نہیں رکھا گیا۔ جذبہ عشق کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ حالانکہ اردو غزل مخصوص اسلوب میں زندگی کے رنگا رنگ موضوعات کو پیش کرتی ہے۔ گیارہویں اور بارہویں جماعت کی (اردو لازمی) میں بھی غزلیات شامل ہیں۔ اس کے تدریسی مقاصد میں زبان کے ردو بدل کے ذریعے انہی مقاصد کو دہرا یا گیا ہے۔ جو نویں اور دسویں کے نصاب میں درج ہیں۔ اس نصاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں جدید غزل گو شعراء کی نمائندگی بڑھا دی گئی ہے۔ البتہ نویں سے بارہویں جماعت تک کے نصاب میں تسلسل کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ کلاسیکی غزل کی طرف دوبارہ رجوع کیا گیا ہے۔ غالب کو دوبارہ نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ بارہویں جماعت میں اقبال کو بھی غزل گو کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے ۔ جن کا زمانہ ادا جعفری سے قدیم ہے۔ البتہ جدید شعراء کی نمائندگی میں اضافہ اور موضوعاتی تنوع کو پیش نظر رکھنا اس نصاب کی خوبیاں ہیں۔

گیارہویں اور بارہویں جماعت کے لیے اردو ادب (اختیاری) کا جو نصاب ترتیب دیا گیا ہے اس کے حصہ غزل میں ان خامیوں پر قابو پایا گیا ہے۔ کلاسیکی اور جدید

Downloaded From Tajassus.com

غزل کی تقسیم میں بتدریج ارتقاء کو مدنظر رکھا ہے لیکن اس میں اور اردو لازمی کے نصاب میں تکرار کا احساس ہوتا ہے۔ دوسری کمی یہ ہے کہ اس مقام پر بھی غزل کے تعارف ، ہئیت اور ارتقاء کے موضوع پر کوئی مضمون شامل نہیں کیا گیا۔

(ب) جامعات میں اردو نصاب : بی اے سال سوم کے نصاب میں غزل کا حصہ موجود ہے۔ اس میں مقاصد نصاب الگ دستاویز کی صورت میں درج نہیں کیے گئے ۔ لیکن عرض مرتب میں ان مقاصد کے بارے میں کچھ اشارے دیے گئے ہیں ۔ اس میں طالب علموں میں ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنے اور ایم اے اردو کے موجودہ نصاب سے مربوط کرنے جیسے مقاصد موجود ہیں۔ (11) سال سوم کے نصاب میں بہت سی خوبیاں دکھائی دیتی ہیں اردو غزل کا تعارف اور ارتقاء پیش کرنے کے ساتھ ساتھ غزل کے بارے میں منتخب اصطلاحات کا تعارف بھی مضمون کی صورت میں موجود ہے ۔ صنف غزل کے تعارف اور غزل گو شعراء کے فن کے تنقیدی مطالعہ کو پرچہ کا حصہ بنادیاگیا ہے۔ غزل گو شعراء کے انتخاب میں غزل کے ارتقائی سفر اور قدیم و جدید غزل گو شعراء کی مناسب نمائندگی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر حمد حامد نے سال سوم کے نصاب کو تدریسی مقاصد کی روشنی میں پرکھتے ہوئے اسے بہترین نصاب قرار دیا ہے۔ جس میں جمالیاتی اور اخلاقی اقدار کی تربیت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور غزل کے فکری ارتقاء اور زمانی تغیرات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ اور قدیم و جدید غزل کے امتیازات سے روشناس کرایا گیا ہے۔ (12) لیکن اس نصاب میں بعض خامیاں موجود ہیں جدید تر غزل کا تعارف پیش نہیں کیا گیا۔ جدید شعراء کی نمائندگی بھی کم ہے۔ اس نصاب کو ایم اے اردو کے نصاب سے مربوط کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے مگر یہ نصاب مربوط ہونے کی بجائے تکرار کی خامی رکھتا ہے۔ ایم-اے اردو سال اول کے پرچہ غزل میں اقبال کے علاوہ تمام وہ شاعر موجود ہیں جو سال سوم کے حصہ غزل میں شامل ہیں۔ ضروری تھا کہ تسلسل قائم رکھنے کے لیے بی -اے کے نصاب میں شعراء کی تعداد میں یا تو کمی کی جاتی یا ایم-اے کے نصاب میں جدید اور جدید تر ان غزل گو شعراء کو شامل کیا جاتا جو بی -اے کے نصاب میں شامل نہیں ہیں ۔ بی-اے سال سوم کی کتاب خیابان اردو میں غزلیات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسے مقررہ وقت میں پڑھانا تقریباً ناممکن ہے۔

Downloaded From Tajassus.com

شعبہ اردو، جامعہ پشاور کے ایم-اے اردو کے نصاب میں شامل پرچے میں غزل کے تدریسی مقاصد کی کوئی وضاحت ، نصاب میں یا مرتب کردہ کتاب انتخاب غزل میں نہیں کی گئی۔ البتہ نصاب میں موجود عنوانات دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا مقصد غزل کے فن اور اس کے ارتقاء ، مختلف غزل گو شعراء کے فن و فکر سے آگاہ کرنا اور ان کے حقیقی مقام سے متعارف کرانا ہے۔ لیکن ایک تو یہ نصاب تکرار کے عمل سے دوچار ہے۔ اس میں غزل کے فن، ہئیت اور ارتقاء پر کوئی جامع مضمون موجود نہیں ہے۔ جدید شعراء کی نمائندگی کم ہے۔ فائزہ افتخار ملک نے مجموعی طور پر ایم-اے اردو کے نصاب میں یہ کمی محسوس کی ہے اور اپنے مضمون میں جدید ادب بلکہ معاصر ادب کی شمولیت کے کم ہونے کا شکوہ کیا ہے (13) اردو غزل کے نصابات کا اگر ابتداء سے جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں تسلسل کم اور تکرار زیادہ ہے ۔ جدید غزل گو شعراء سے طالب علم کا تعارف کم ہوتا ہے۔ ایک صنف کی حیثیت سے غزل کا بھرپور تعارف بھی نہیں ہوتا۔ بی -ایس اردو کا نظام خیبر پختونخواہ کے اکثر کالجوں اور جامعات میں نافذ ہوچکا ہے۔ اردو ادب اور اردو غزل کی تدریس میں جن مشکلات کا تجزیہ پچھلی سطور میں کیا گیا ہے ان کا ازالہ بی-ایس اردو کے نصاب کے ذریعے ممکن ہے۔ اس میں اردو زبان کے قواعد ، املاء اور عروض کے موضوعات مختلف پرچوں میں شامل ہیں۔ انھیں اگر پہلے سمسٹر کا حصہ بنا دیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ادب کے تعارف کا ایک پرچہ بھی شامل کردیا جائے تو ادب کی تدریس کی راہ میں حائل مشکلات کو کسی حد تک دور کیا جاسکتا ہے۔ بی-ایس اردو کے نصاب میں غزل گو شعراء کے تعارف اور قدیم و جدید غزل کی نمایندگی کو ایک مناسب حد تک ممکن بنایا گیا ہے۔ ان پرچوں میں تکرار کی خامی موجود ہے۔ لیکن پچھلے نصابات کی نسبت تسلسل موجود ہے اور غزل کا تعارف طالب علموں سے اپنی مبادیات کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے نصابات میں تدریسی مقاصد کا واضح طور پر تعین نہیں کیا گیا۔ مقصد صرف ادب کے مختلف شعبوں میں تحقیق کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ ہے یہاں مقاصد کا تعین ضروری ہے۔ غزل پر کس طرح تحقیق کی جائے۔ کن تحقیقی اصولوں کو مد نظر رکھا جائے اور غزل پر کن کن زاویوں سے تحقیق ہونی چاہیے۔ ان مقاصد کو سامنے رکھ کر اردو غزل میں تحقیق کے

Downloaded From Tajassus.com

حوالے سے مختلف نصاب مرتب کیے جاسکتے ہیں۔ شعبہ اردو، جامعہ پشاور میں ایم-ایس اردو اور پی-ایچ-ڈی اردو کا جو نصاب مروج ہے جو ہائیر ایجوکیشن کمیشن کا مجوزہ نصاب ہے اس میں غزل کے عنوان سے کوئی کورس شامل نہیں کیا گیا۔

کسی بھی صنف کی تدریس کے لیے اور اس کے اصل مقام سے روشناس کرانے کے لیے ایک معیاری نصاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا نصاب جو جدید عہد کے تقاضوں کے مطابق ہو اور مختلف درجوں میں رائج نصاب کے درمیان ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ مزید یہ کہ نصاب طلباء کی دلچسپی اور ذہنی صلاحیت کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا ہو۔ اس طرح کے نصاب سے بہترتدریسی اہداف حاصل کیے جاسکتے ہیں اور بہتر نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

اس وقت خیبر پختونخواہ کے تعلیمی اداروں میں مختلف درجوں میں جو اردو غزل کا نصاب رائج ہے اسے سامنے رکھ کر ہر درجہ کی تدریس کا طریقہ کار اور اس میں بہتری لانے کے امکانات پر تیسرے حصے میں غور کیا جاتا ہے۔

۳۔ (الف) اسکول اور کالج کی سطح پر اردو غزل کی تدریس، اس سطح پر تدریس کا مقصد طلباء کو زبان سکھانا اور اس کے اسرار و رموز سے واقف کرنا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زبان دانی پر زور دیا جائے۔ غزلوں کی تعداد کم رکھی جائے اور غزلوں کی تدریس کے ذریعے زبان اور اس کی باریکیوں سے روشناس کرایا جائے۔

بقول ڈاکٹر عطش درانی :

"ضروری یہ ہے کہ جو بھی کچھ پڑھا یا جائے اس سے اُن کی اردو کی استعداد بہتر ہونی چاہیے۔ زبان کی تدریس پر زور دیتے ہوئے کسی بھی قسم کی نثر یا نظم پڑھائی جائے اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ آج کی اردو بہتر طور پر سیکھ سکیں '' ۔ (14)

ڈاکٹر عطش درانی نے '' اردو تدرسیات'' میں یہ مشورہ دیا ہے کہ کم از کم میٹرک کی سطح تک تدریس زبان کے مقاصد پر توجہ دی جائے اور اسی مقصد کے تحت ادب پڑھا یا جائے۔ اس سطح پر ضروری ہے کہ طلباء کو زبان سکھائی جائے۔ ان کا تلفظ درست کیا جائے۔ املاء کی مشق کراتی جائے۔ غضنفر علی نے تلفظ کی تدریس کے طریقہ کار پر بحث کی ہے اور آوازوں کی شناخت کے ذریعے تلفظ کی تدریس کے مختلف چارٹ بنائے ہیں(15) جس سے تلفظ درست کرنے میں

Downloaded From Tajassus.com

مدد مل سکتی ہے۔

زبیدہ حبیب نے تدریس غزل کے مختلف مراحل ''تمہیدی گفتگو '' ، '' اعلان سبق''، ''متن سبق'' ، '' معلم اور متعلم کی بلند خوانی'' ، '' تلفظ کی مشق'' ، ''اخذ معنی'' اور '' اشعار کا تفصیلی جائزہ'' پیش کیے ہیں (16) محمد حسن (17)اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری (18) نے ان مراحل پر بحث کرتے ہوئے ''اعادہ سبق'' پر زیادہ زور دیا ہے جس کا مقصد یہ جائزہ لینا ہے کہ تفہیم کا عمل مکمل ہوا ہے کہ نہیں۔

بارہویں جماعت تک تدریس غزل کا مقصد شاعر اور شاعری کی اہمیت واضح کرنا، غزل کی ہئیت ، اسکی زبان ، مزاج اور فکری نظام کا ابتدائی تعارف کرنا، غزل کی فضا ء کو زیر بحث لانا، شاعر کی زندگی اور فن کا تعارف کرنا، اشعار کو صحت اور روانی کے ساتھ پڑھنا اور پڑھانا شعری ذوق کی تربیت کرنا، شعر کے مفہوم اور فنی نزاکتوں سے آگاہ کرکے شعری ذوق کی تربیت کرنا ہے۔ لیکن درست تلفظ، آہنگ اور وزن کے ساتھ شعر پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنا، شعری ذوق اور ادب و شعر سے دلچسپی پیدا کرنا خصوصی مقاصد میں شامل ہیں۔ ان مقاصد کے حصول میں بقول زبیدہ حبیب بنیادی کردار معلم ادا کرسکتا ہے۔ معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ درست انداز میں شعر پڑھنے، اس سے لطف لینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور شعر کے لطیف پہلوؤں پر اس کی نظر ہو (19) ایف -اے تک تدریس غزل سے انہی مقاصد کا حصول مطلوب ہے اس میں فرق اتنا ہے کہ میٹرک تک زبان دانی پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اگلے درجوں میں زبان شناسی کے ساتھ ساتھ غزل کے فن، اسلوب ، اسکے فکری نظام کو سمجھانے اور تفہیم کی قوت کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔

(ب) جامعات میں اردو تدریس، بی-ایس اردو اور بی -اے میں اردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان سطحوں پر تدریس کے لیے معلم کاادب کا مزاج داں ہونا ضروری ہے۔ اسے غزل کی ہئیت ، فن ، اس کے علامتی نظام اور فکر کے بیان کے طریقہ کار سے واقف ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ غزل کی تدریس زیادہ وسعت کے ساتھ کرسکے اور اسکے فنی و فکری نظام کی مختلف جہتوں کو واضح کرسکے۔ طلباء کے ذوق سلیم کی تربیت کرکے ان کی ادبی و شعری ذوق کی آبیاری کرسکے۔ ایم-اے کی سطح پر اردو غزل کی تدریس مزید گہرائی اور وسعت کا مطالبہ

Downloaded From Tajassus.com

کرتی ہے۔ اس سطح پر غزل کی ہئیت اورفنی وفکری عناصر کو زیادہ بصیرت افروزی اور تخلیقی قوت کے ساتھ اجاگر کرنا ضروری ہے۔ شعراء کے حقیقی مقام و مرتبہ اور فنی عظمتوں سے روشناس کرانا معلم کی ذمہ داری ہے۔ ایم -اے کی سطح تک تدریس کا عمل مکمل ہوتا ہے اور اس سے اگلے درجوں (ایم-فل اور پی-ایچ-ڈی) میں غزل کی تحقیق کا سوال سامنے آتا ہے اس سطح پر غزل کا تحقیقی انداز میں تجزیہ کرنا، غزل کے نفسیاتی، سیاسی، معاشی ، معاشرتی اور تہذیبی پہلوؤں کا جائزہ لینا تحقیقی مقاصد میں شامل ہے۔ اس درجے پر غزل کی تشریح کے بجائے اس کی تفہیم اور عہد بہ عہد تغیرات کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور مختلف سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ جو غزل کی انفرادیت، مقام و مرتبہ متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس سطح پر ضروری ہے کہ غزل میں تحقیق کے نئے امکانات تلاش کیے جائیں اور سابقہ ادوار میں ہونے والی تحقیق کے معیار اور مقام کا تعین کیا جائے۔

اس مقالہ میں اردو غزل کی تدریس میں حائل جن مشکلات اور مسائل کا جائزہ لیا گیا اور جن امکانات کو پیش کیا گیا ہے انہیں سامنے رکھ کر تدریس غزل کو بہتر بنانے کے لیے کچھ تجاویز اور سفارشات مرتب کی گئی ہیں جنہیں ترتیب کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

سفارشات :

1. ابتدائی اور ثانوی درجوں تک طلباء میں اولاً زبان کی مہارت پیدا کی جائے۔ تاکہ وہ اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہوسکیں۔
2. زبان شناسی کے بعد ادب کی تدریس بحیثیت ایک علم کے کی جائے۔ طلباء کو ادب کی مبادیات سمجھائی جائیں۔ ادب کی تدریس کے لیے ادبی تخلیقات کے نمونے بطور مثال نصاب میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن مقصد ادب کی تدریس ہونا چاہیے۔ اسباق کی تشریح اور توضیح نہیں ہونا چاہیے۔ زبان و ادب کی تدریس کا سلسلہ میٹرک تک جاری رکھا جائے۔
3. ایف -اے کی سطح سے باقاعدہ ادبی اصناف کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ غزل کی تدریس کا بنیادی مقصد زبان دانی، وزن کا شعور اور شعر خوانی کا ہنر پیدا کرنا ہونا چاہیے۔ اس سطح پرنصاب میں غزلوں کی تعداد کم رکھی جائے اور ایسی غزلیں نصاب میں شامل کی جائیں جو

Downloaded From Tajassus.com

طلباء کی ذہنی سطح کے مطابق ہو ناور طلباء ان میں دلچسپی لے سکیں اور یہ ان کے شعری ذوق کی تربیت کرسکیں۔

4. بی-اے اور ایم-اے کی سطح پر غزل کی تدریس کا مقصد غزل کے فن، اس کی ہئیت ، فکر اور ارتقائی مراحل سے واقفیت پیدا کرنا ہو۔ ان سطحوں پر ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو باہم مربوط ہو اور تکرار کی خامی اس میں نہ ہو۔ اس سطح پر تدریس کا مقصد غزل اور غزل گو شعراء کے مقام و مرتبہ سے طلباء کو روشناس کرانا ہے۔ اس لیے غزلوں کی تعداد کم رکھی جائے اور زیادہ توجہ غزل کے فن اور غزل گو شعراء کے فنی و فکری کمالات پر دی جائے۔

5. ایم-فل اور پی -ایچ-ڈی کی سطح پر غزل کی تدریس کا مقصد غزل کا تحقیقی انداز میں تجزیہ کرنا اور پچھلے ادوار میں غزل پر ہونی والی تحقیق کے معیار اور مقام کا جائزہ لینا ہونا چاہیے۔ اس سطح پر ایسے کورسز متعارف کرائیں جائیں جو ان مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہوسکیں۔ نیز غزل کی تحقیق میں نئے امکانات کو تلاش کرسکیں۔

6. ادب اور اسکی مختلف اصناف کی تدریس کے لیے ایسا معیار ی نصاب مرتب کیا جائے جو مختلف درجات کے درمیان ہم آہنگی رکھتا ہو۔جس میں مختلف اصناف کے تخلیقی نمونوں کی تدریس اصناف ادب کی روشنی میں کی جائے۔

ہر درجہ کا نصاب اور تدریسی طریقہ کار خاص مقاصد کے ماتحت مرتب کیا جائے اور مطلوبہ اہداف حاصل کرنے کی کوشش کی جائے ۔ تدریسی مقاصد اور اہداف کی تفصیل اساتذہ کرام کو مہیا کی جائے تاکہ مقاصد کے حصول میں وہ اپنا کردار ادا کرسکیں۔

ANS 03

انشائیے کے موضوعات میں بڑا تنوع ہے- انشائیہ لکھنے والے کي شخصیت اور اس کے داخلي تاثرات کا ترجمان ہے- انشائیہ در حقیقت شخصي اور غیر شخصي یا داخلي اور خارجي پہلوؤ ں کا سنگم ہے- انشائیہ نگار کسي مقصد یا اصلاح کي خاطر قلم نہیں اٹھاتا وہ کوئي نتیجہ اخذ کرتا ہے اور نہ کوئي مشورہ دیتا ہے- اس کا انداز غیر رسمي ہے- شگفتگي اور تازگي، اکثر اوقات نا مکمل باقي رہتا ہے- حتمي نتیجہ نہیں نکلتا ہے- مائل بہ اختصار ہے- انشائیہ در حقیقت شخصي اور

Downloaded From Tajassus.com

غیر شخصي یا داخلي اور خارجي پہلوğ کا سنگم ہے- انشائیہ نگار کا مقصد اخذ نتیجہ یا مشورہ دینا نہیں-

انشائیہ کا موجد ایک فرانسیسي موجد "مونتین" ہے- اس کے تتبع میں انگریزي انشائیے کا آغاز ہوا-

ڈاکٹر وزیر آغا کے انشائیوں کے دو مجموعے " خیال پارے" (اشاعت کا آغاز 1916ء) اور "چوري سے یاري تک" شایع ہو چکے ہیں-

نظیر صدیقي کے انشائیوں کا مجموعہ "شہرت کي خاطر" اور "مشتاق قمر کا" شایع ہو چکا ہے-

بیسویں صدي سے قبل سر سید، محمد حسین آزاد، مولوي نذیر احمد اور عبدالحلیم شرر کے بعض مضامین میں انشائیہ کي بعض صفات ملتي ہیں- ذات کے لمس سے یہ تحریریں محروم ہیں- بیسویں صدي میں فرحت اللہ بیگ، آغا شاعر قزلباش، نیاز فتحپوري، مہدي افادي، یلدرم، ابوالکلام آزاد، خواجہ حسین نظامي، رشید احمد صدیقي، پطرس بخاري اور کرشن چنر ایسے لکھنے والے ہیں جنہوں نے لکھنے کو تو مضامین ہي لکھے اور ان کي تحریروں کے لئے مضمون کا لفظ استعمال ہوا- لیکن ان میں انشائیہ کے خد و خال واضح نظر آتے ہیں- انشائیہ کا لفظ در اصل ڈاکٹر وزیر آغا کي ایجاد ہے- اختر اورینوي نے پہلي مرتبہ 1944ء میں علي اکبر مقاصد کے مضامین کے لئے استعمال کیا لیکن سترہ سال تک یہ لفظ اس مخصوص صنف کے لئے استعمال نہ ہو سکا- 1959 ء کے لگ بھگ ڈاکٹر وزیر آغا نے یہ لفظ Essay کے لئے استعمال کیا- ڈاکٹر وزیر آغا کے رسالے "اوراق" نے اس سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا- انشائیہ صرف ربع صدي پہلے کي صنف ہے- غلام علي صدیقي، ممتاز مفتي اور امجد حسین عبوري انشائیہ نگار ہیں- ان کي تحریروں میں ذات کا لمس یا موجود نہیں یا انتہایي کمزور ہے- ذات کا لمس، داخلیت، تحصیل مسرت، ہلکا پھلکا انداز و --- انشائیہ کي بنیادي ضرورتیں پوري نظر آتي ہیں- جاوید صدیقي اور داوود رہبر کے ہاں انشائیہ کي یہ بنیادي ضرورتیں پوري نظر آتي ہیں- وزیر آغا نے اردو انشائیہ کے دور زرین کا آغاز کیا ہے- وزیر آغا کے ہم عصر انور سدید، جمیل آذر، کامل القادري، سلیم آغا قزلباش، مشکور حسین یاد، میرزا ریاض کے نام لیے جا سکتے ہیں- ان میں سے میرزا ریاض، مشکور حسین یاد، اور کامل القادري فني اعتبار سے انشائیہ کا معیار برقرار

Downloaded From Tajassus.com

نہیں رکھ سکے- غزل کي طرح انشائیہ کا ہر لفظ معني اور اہمیت کا حامل ہے- غزل کي طرح انشائیہ جس قدر مختصر ہو اسي قدر موثر معلوم ہوتا ہے

ANS 04

ڈرامے کی دو بڑی قسمیں حزنیہ (ٹریجڈی) اور طربیہ (کامیڈی) ہیں۔ ارسطو نے حزنیہ اور طربیہ کو یوں ممیز کیا ہے کہ حزنیہ غم آگیں اور اندوہناک واقعات پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے کردار سنجیدہ، عظیم اور بالائی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس طربیہ کے واقعات مسرت اور خوشی کے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ ان کا انجام بخیر ہوتا ہے اور اس کے کردار نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں کرداروں کی طبقاتی تقسیم ہی حزنیہ اور طربیہ کے مابین سب سے بڑی وجۂ امتیاز رہی ہے۔ چنانچہ سترہویں صدی عیسوی تک یہی کلیہ کار فرما رہا ہے کہ حزنیہ صرف اس وجہ سے حزنیہ نہیں کہ وہ تباہی و بربادی پر منتج ہو بلکہ ہر وہ ڈراما جس میں بادشاہوں اور عظیم انسانوں کو پیش کیا جائے اسے حزنیہ کہا جا سکتا ہے اور طربیہ صرف ادنیٰ طبقے کے کرداروں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن سترہویں صدی عیسوی کے بعد اس نظریے سے اختلاف ظاہر ہونا شروع ہوا۔ اٹھارہویں صدی تک ارسطو کی تقسیم بالکل باطل قرار دے دی گئی اور یہ نظریہ محکم صورت اختیار کر گیا کہ حزنیہ میں نہ صرف اونچے طبقے کے کرداروں سے ہمدردی کے جذبات پیدا کیے جا سکتے ہیں بلکہ زیریں طبقے کے کردار بھی جذبات کو ابھارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ موجودہ عہد میں حزنیہ کے لیے اعلیٰ طبقے کے کرداروں کی کوئی شرط نہیں ہے۔ البتہ حزن و ملال کا عنصر اس میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ اردو کے ممتاز نقاد، محقق اور ڈراما نویس عشرت رحمانی نے حزنیہ کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ ایک وہ جس میں ''حزن و ملال اور غم و الم کے سوا انجام تک طرب و نشاط کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوتا۔'' دوسری وہ ''جس میں حزن قصے کا اصل جزو ضرور ہوتا ہے مگر سامعین کی خاطر یا تدبیر گری کے لحاظ سے شادمانی و طرب کا خفیف شائبہ شریک کر کے رنج و غم کے بار گراں کو کسی حد تک کم کر دیا جاتا ہے۔ مگر انجام غم ناک ہوتا ہے۔'' اور حزنیہ کی تیسری قسم ان کی نگاہ میں طرب انگیز حزنیہ ہے ''جس میں رنج و الم کے بھر پور پہلو نمایاں ہوتے ہوئے بھی انجام نیک اور طرب انگیز ہوتا ہے۔''اور یہی ڈراما نویسی کی وہ صنف ہے جس سے ڈراما اپنے منتہائے کمال تک پہنچتا ہے۔ جرمن شاعر اور نقاد اے ڈبلیو

Downloaded From Tajassus.com

شلیگل نے اسے ''تخیل کی معراج'' کہا ہے۔ دنیا بھر کے نقاد شلیگل کے اس نظریے کی تائید میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ طربیہ ڈرامے عموماً ایسے واقعات پر مبنی ہوتے ہیں جن کی ابتدا خواہ کسی انداز میں ہوئی ہو وہ انتہا میں آ کر خوشی اور راحت پر منتج ہوتے ہیں۔ ان میں سنجیدہ اور شگفتہ پلاٹ ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور طنزیہ اور مزاحیہ عنصر بھی شامل ہوتا ہے، لیکن یہ مزاح اور طنز نہایت بلند پایہ اور اعلیٰ ہوتا ہے اور ابتذال و سوقیت کی حدوں کو نہیں چھوتا۔ ڈرامے کی ان دو بڑی اقسام کے علاوہ بعض ڈرامے ایسے بھی ہیں جو ان دونوں کی آمیزش سے وجود میں آتے ہیں۔ انہیں ''ٹریجڈی کامیڈی'' یا المطربیہ ڈرامے کہا جاتا ہے۔ میلو ڈراما اور فارس بھی انہیں سے ملتی جلتی اصناف ہیں۔ میلو ڈراما یونانی لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں گیت۔ اس قسم کے ڈراموں میں گانوں کی کثرت ہوتی ہے اور بعض خصوصیات میں انہیں اوپیرا سے مشابہ کہا جا سکتا ہے۔ ''فارس'' میں مضحکہ خیز واقعات اور مبالغہ آمیز ظرافت سے تفریح و تفنن کا کام لیا جاتا ہے۔دونوں قسم کے ڈراموں میں کردار نگاری اور تاثر مفقود ہوتے ہیں، حالانکہ ہر دو اصناف المیہ اور طربیہ میں نہایت اہم مقام رکھتی ہیں۔ مزاحیہ ڈرامے کی ایک قسم ''براسک'' بھی ہے جس میں گھٹیا قسم کا مزاح پیش کیا جاتا ہے۔ کمتر درجے کے لوگ اعلیٰ اور شریف اشخاص کی نقلیں اتارتے ہیں اور اعلیٰ شخص رذیلوں کی حرکات اختیار کرتے ہیں۔ ان ڈراموں کا مقصد عام تماشائیوں کو سستی تفریح بہم پہنچانا ہوتا ہے۔ اوپیرا منظوم ڈراما ہے اور غنائیہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے، چاہے قصہ المناک ہو یا طربناک۔ ڈریم بھی مخلوط قسم کے ڈراموں کی ایک شاخ ہے۔ یہ نہ تو طربیہ کی طرح تفریح و تفنن کا سامان بہم پہنچاتے ہیں اور نہ المیہ کی طرح دہشت اور خوف کے جذبات بیدار کرتے ہیں۔ طربیہ سے یہ ڈراما اس لحاظ سے جدا ہوتا ہے کہ اس میں طربیہ کے مثالی کرداروں کی بجائے منفرد کردار ہوتے ہیں۔ حزنیہ سے یوں ممیز ہوتا ہے کہ اس میں جذبات و شخصیات کی پیش کش تو ہوتی ہے لیکن انجام غم ناک نہیں ہوتا اور نہ اس کے پلاٹ میں حزنیہ کی طرح عظمت و جلال کے احساسات پیدا ہوتے ہیں

ANS 05

۱۔ تلفظ کا مسئلہ

۲۔ رسم خط کا مسئلہ

Downloaded From Tajassus.com

یوں تو ہر نئے سیکھنے والے کے لیے رسم خط ایک مسئلہ ہوتا ہے مگر اردو رسم خط کے جو مسائل ہیں ان کی نوعیت جداگانہ ہے ۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر زبان کی اپنی مخصوص آوازیں ہوتی ہیں اور یہی آوازیں لفظ بن کر مخصوص تہذیب کی نمائندگی کرتی ہیں۔جن طالب علموں کو ذہن میں رکھ کر تلفظ کے مسئلے کا ذکر کر رہا ہوں وہ بہت حد تک اس مخصوص تہذیب اور اس زبان کی آوازوں سے واقف ہوتے ہیں البتہ چند آوازیں ایسی ہیں جن میں تمیز کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہے ۔جن کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں ۔

ایسے طالب علم عام طور پر ج اور ز کی آوازوں کو تو ضرو ر جانتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کی ادائیگی وہ صحیح طور پر نہیں کر پاتے یا ان میں تمیز نہیں کر سکتے ۔لیکن یہ دشواری تمام طالب علموں کے ساتھ نہیں کیونکہ ان میں سے تقریباًسبھی ایسے ہوتے ہیں جو انگریزی جانتے ہیں ۔اس لیے J اور Z کے فرق کو محسوس تو کرتے ہیں مگر اسے اپنی گفتگو میں کس قدر برتتے ہیں یہ الگ مسئلہ ہے۔ اردو رسم خط میں Z کی آواز کے لیے بالترتیب ذ ۔ ز۔ ض۔ظ چار حروف ہیں ۔ یہ آوازیں ان کے لیے کیوں کر پریشان کن ہوتی ہیں اس پہلو پر غور فرمائیں ۔ ان چاروں آوازوں (ذ ۔ ز۔ ض۔ظ) کے فرق کو ہم اور آپ بخوبی اپنی تحریروں میں ملحوظ رکھتے ہیں مگر کیا بول چال کی زبان میں خود اردو والے (جن کی مادری زبان اردو ہے) ان آوازں کے فرق نمایاں کر پاتے ہیں ؟۔میں قطعی طور پرنفی یا اثبات میں کچھ نہیں کہتا مگر آپ کسی ایسے جملے کو لیں جس میں یہ مختلف آوازیں شامل ہوں مثلاً

” استادا گر اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کو سمجھیں تو مجال ہے کہ کوئی نظر بھی اُٹھا سکے یا باز پرسی کی ہمت کرے۔“ آپ خود اس جملے کو دُہرائیں ۔ اس جملے میں پانچ آوازیں موجود ہیں مگر بیشتر حضرات کے تلفظ سے سوائے ج اور ز کے کوئی فرق نمایاں نہیں ہوگا۔ اسی طرح ع کی آواز کو دیکھیں جب ہم جمعہ ، وعدہ ،طبیعت ، جمع وغیرہ بولتے ہیں تو کیا ع کی آواز کو پورے طور پر واضح کر پاتے ہیں یا خطاب ، خطا ، خط ، اور تماشہ ،تمام ، تاریک وغیرہ میں تلفظ کے لحاظ سے ط اور ت میں کیا فرق کرتے ہیں ؟ نئے سیکھنے والوں کے لیے یہی پریشانی کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جو چیزیں Practice میں ہوتی ہیں ان کا سیکھنا اور سکھانا آسان ہے لیکن جو Practice میں نہیں ہیں ان کا سیکھنا سکھانا دونوں مشکل ہے۔ اسی لیے نو خواندہ اور نو آموز طلبہ اکثر پوچھتے ہیں

Downloaded From Tajassus.com

کہ ایک ہی حرف کے لیے اتنے حروف کی کیا ضرورت ہے ؟انھیں مطمئن کرنا ایک بڑا مسئلہ ہے ۔جب تک اُن کو اِن آوازوں کے طریقِ ادائیگی اور مخارج کی باریکیوں سے آپ بخوبی واقف نہ کرائیں گے وہ مطمئن نہیں ہوں گے اور یہی باریکیاں اردو کی نزاکتیں بھی ہیں اور حُسن بھی لہٰذا یہ مسئلہ خصوصی توجہ کا متقاضی ہے ۔

سوال یہ ہے کہ جس زبا ن سے ہم نے اِن آوازوں کو لیا ہے وہا ں تو باقاعدہ فنِ تجوید موجود ہے ، جہاں تمام تر نزاکتوں کو بخوبی برتنے کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ مگر ہم ہندستانی مزاج کے مطابق تلفظ کرتے ہیں لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ ہمارے اساتذہ یا اہل زبان اِن باریکیوں کو نہیں سمجھتے ہیں یا نہیں برتتے ہیں مگر کلا س روم میں جہاں طلبہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہوتی ہے وہاں ان کی افہام و تفہیم اور مشق کے لیے کون سا طریقہ اپنایا جائے جو مفید ہو اس پر بھی غور کرناچاہیے۔

طریقِ کار:

۱۔ اوّل تو یہ کہ استاد اِن آوازوں کو خود ادا کریں اور طلبہ اس کو دُہرائیں پھر لفظوں کے ذریعے ان آوازوں کے طریقِ استعمال اور طریقۂ ادائیگی کو سمجھایا جائے۔ساتھ ہی بلیک بورڈ پر نقشے کے ذریعے ان کے مخارج کی نشاندہی کی جائے ۔اب تک زبان کی تعلیم و تدریس کے سلسلے میں انہی طریقوں کو بروئے کار لایا جا رہا ہے لیکن اگر ہم اس کے لیے جدید سمعی اور بصر ی امدا د کا بھی استعمال کریں تو کم سے کم وقت میں خفیف سے خفیف فرق کو بخوبی سمجھا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جدید Language Lab اور Audio ,Video کیسٹ وغیرہ کے استعمال کا اہتمام کرنا چاہیے اور نصاب میں ایسے اسباق شامل کیے جانے چاہیئے جن میں ان حروف مثلاً ص، ض ، ط ، ظ، ع ، غ ، ذ ، ز ، ژ وغیرہ کے لیے الگ الگ اسباق مختص ہوں اور کثیر الاستعمال الفاظ کو ان اسباق میں شامل کیا جانا چاہیئے اور معلم کی یہ کوشش رہے کہ طلبہ ان آوازوں کے مخارج کو بھی سمجھیں اور ان کی بجے بھی یاد کریں تاکہ جب ان سے املا (Dictation) لکھوائی جائے تو آوازوں کے مخارج سے حروف کو پہچان سکیں اور املا میں غلطی نہ کریں ۔الفاظ کی بجے یاد کرانے میں اس بات پر زور دیا جائے کہ طلبہ الفاظ کو پورے Figure کے ساتھ ذہن نشیں کر نے کی کوشش کریں ۔

Downloaded From Tajassus.com

۲۔ دوسرا مسئلہ رسمِ خط کا ہے ۔ اردو رسمِ خط کے سلسلے میں بھی اسی طرح کی پریشانیا ں سامنے آتی ہیں ۔مثلاً زبا ن کی تدریس میں بولنے ، سننے اور پڑھنے کے علاوہ لکھنے کا عمل بھی نہایت اہم ہے جس پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیئے ۔اردو چونکہ مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے مثلاً خطِ نسخ ، خطِ شکستہ اور نستعلیق وغیرہ ساتھ ہی کتاب کی تحریر اور ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں بھی کافی فرق ہوتا ہے جو طلبہ کے لیے پریشانی کا سبب ہوتا ہے ۔ کیونکہ ان دونوں طرح کی تحریروں سے طلبہ کو بیک وقت سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ استاد کے ذریعے بلیک بورڈ پر لکھے ہوئے حروف اور الفاظ ،کتاب کے حروف اور الفاظ سے بہت حد تک مختلف ہوتے ہیں ۔لہٰذا اس سلسلے میں بھی غور وفکر کی ضرورت ہے کہ پڑھاتے وقت اور بلیک بورڈ پر لکھتے وقت استاد کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ رواں تحریر نہ لکھے بلکہ اگر کتابت کے اصول و ضوابط سے واقف ہو تو زیادہ مناسب ہے ۔یا کیا نئے سیکھنے والوں کے لیے رواں تحریر میں لکھی ہوئی کتاب تیار کی جانی چاہیے یہ بھی قابلِ غور ہے۔

۳۔ اس کے علاوہ ایک بڑا مسئلہ الفاظ کی شناخت کا بھی ہے کیونکہ وہ جس رسم ِ خط کو جانتے ہیں میری مراد ہندی اور انگریزی سے ہے ، یہاں الفاظ جداگانہ طور پر بآسانی پڑھے جا سکتے ہیں کیونکہ ہندی میں ایک لفظ کے مختلف حروف کے اوپر ایک لکیر کھینچ دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک لفظ دوسرے لفظ سے واضح طور پر الگ ہو جاتا ہے اور انگریزی میں ایک لفظ اور دوسرے لفظ کے درمیان مناسب فاصلہ ہوتا ہے اور ایک لفظ کے تمام حروف باہم مربوط ہوتے ہیں۔اردو میں بھی اگرچہ اس طرح کا اہتمام ہے مگر بہت واضح نہیں بالخصوص مرکب الفاظ میں اور بعض اوقات ہم شکل حروف و الفاظ میں قرأت کی پریشانی تو بہر حال ہوتی ہے مثلاً " یہ منزل دورودرازاور بہت کٹھن ہے ۔" اس جملے میں "دورودرازاور " کو پڑھنے میں نئے طالب علموں کو کئی طرح کی پریشانی ہوتی ہے ۔ اوّل تو یہ کہ کون سے حروف ایک دوسرے سے مل کر پڑھے جائیں گے اور کون سے حروف مصوتے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر اصل مقصد تو اس طرح کے مسائل کا حل پیش کرنا ہے ۔ اس سلسلے میں اگر مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے تو اس طرح کے مسائل کے حل میں مدد مل سکتی ہے۔

تجاویز:

Downloaded From Tajassus.com

۱۔ ابتدائی سطح کے نصاب کی کتابوں کی کتابت اور طباعت کا خاص اہتمام ہو جس میں ایک لفظ سے دوسرے لفظ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھاجائے ۔

۲۔ اعراب یعنی مختلف آوازوں کے لیے جو علامتیں مخصوص ہیں ان کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جائے ۔ اور ابتدائی سطح کی کم ازکم دو تین کتابیں جو یکے بعد دیگرے ان کو پڑھا ئی جانے والی ہیں ان سبھوں میں اگر اعراب کا استعمال ہو تو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ان کے پاس الفاظ کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو جائے گااور وہ الفاظ ان کو ازبر بھی ہو جائیں گے اس کے بعد اگر ان کے سامنے ایسی کتاب آئے گی جن میں اعراب کا استعمال کم سے کم بھی ہو تو اسے پڑھنے میں نو آموز طلبہ کو اتنی پریشانی نہیں ہو گی ۔

۳۔ اردو کی ایسی آوازیں جو ان کے لیے بالکل نئی ہیں اور جن کی ادائیگی میں بھی خفیف فرق موجود ہے اسے سکھانے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ طلبہ سے اس طرح کی آوازوں پر مشتمل الفاظ کی زیادہ سے زیادہ مشق کرائی جائے کہ ان کی ہجے یاد کر لیں اور اس طرح کے الفاظ کی شکلیں ان کے ذہن نشیں ہو جائیں۔

۴۔ اس مقصد کے حصول کے لیے صوتی عمل گاہوں کا استعمال اور سمعی اور بصری امداد کا بھی سہارا لیا جائے اور تلفظ ، قواعد ، لفظ و معنی اور اسلوب کو ذہن میں رکھ کر ایسی مشقیں تیار کی جائیں جن کی مدد سے طالب علم زبان کی نزاکتوں ، لطافتوں کو اپنے تلفظ اور لب ولہجے کے ذریعے اپنا سکیں ۔

۵۔ ایسے طا لب علموں کو اردو سکھانے کے لیے اگر ہم سنوانے ،بُلوانے، پڑھوانے بعد ازاں لکھوانے کے اصول کو سامنے رکھیں تو زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں ۔

۶۔ اردو رسمِ خط کی خوبی اور آسانی سے لکھی جانے کی ادا کو زیادہ واضح طور پر بتانا چاہیئے کہ اگر آپ چند بنیادی علامتوں کو سیکھ لیں تو اردو کے تمام حروف کو سیکھ لینا کوئی مشکل نہیں (علامت سے مراد آواز کو تحریر میں لانے کے لیے جن حروف کو استعمال کیا جاتا ہے) مثلاً ایک بنیادی علامت " ب " ہے پہلے اسے لکھنے کی مشق کرائی جائے اور Connected Formمیں اس کی جو مختلف شکلیں ( ) ہیں ، ان کی مشق کرائی جائے پھر نقطے کے فرق سے ایک ہی Figure کے ذریعے پانچ مختلف آوازوں کو سکھائیں اس طرح ج۔ چ ۔ح۔ خ۔ چار مختلف آوازوں کے لیے ایک بنیادی علامت اور اس کی مختلف شکلیں

Downloaded From Tajassus.com

سکھائی جاسکتی ہیں۔ اس طرح اردو کے ہم شکل حروف کی درجہ بندی کر کے اسباق تیار کرائے جائیں تو سیکھنے کے عمل میں تیزی آسکتی ہے ۔

۷۔ ابتدائی سطح کے نصاب کی کتاب میں ایسے اسباق شامل کیے جائیں جن میں اردو مصوتوں کے صوتی نظام کو زیادہ وضاحت سے سمجھا جائے چونکہ اردو کا مصوتی نظام قدرے پیچیدہ ہے ۔اسی لیے معمولی لفظ کو بھی پڑھنے اور لکھنے میں نو آموز طلبہ کافی پریشان ہوتے ہیں مثلاً پ ، و ، ن سے ایک لفظ بنتا ہے جسے آپ کیا پڑھیں گے ذرا غور فرمائیں اِسے پُون ، پَون ، پوَن ،پو=ن بھی پڑھ سکتے ہیں ۔ ہم اور آپ سیاق و سباق سے صحیح لفظ کا تعین تو کر سکتے ہیں مگر کیا نو آموز سے بھی آپ توقع کر سکتے ہیں ؟ بہر کیف یہ ایسا مسئلہ بھی نہیں جسے حل نہ کیا جاسکے۔ مصوتوں کے لیے ہمارے رسمِ خط میں ی ، ے ،ا ،اور و چار حروف شامل ہیں اس کے لیے کچھ علامتیں ہیں جو زیر ،زبر ، پیش اور ہمزہ کی شکل میں ہیں اِ ن کی مدد سے حسبِ ذیل مصوتے بنتے ہیں ۔

Downloaded From Tajassus.com